(۱۸) علامہ نور بخش توکلی، سیرت رسول عربی ملخصاً ص328

(۱۹) علامہ نور بخش توکلی، سیرت رسول عربی ملخصاً ص392 حوالہ 39

(۲۰) سورۂ قصص آیت 26

(۲۰) نہایت الاعجاز، بحوالہ سیرت رسول از توکلی ملخصاً ص328

(۲۲) علامہ نور بخش توکلی، سیرت رسول عربی ملخصاً ص318

بر تر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم رواں، ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی!
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تسخیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

Seminar Library
Department of Islamic History
University of Karachi

قبلہ اوّل خانۂ کعبہ یا بیت المقدس؟

شاکر حسین خان

ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

قبلہ (ق ب ل) عربی اسم مذکر ہے سامنے یا مقابلے کی چیز کو قبلہ کہتے ہیں[۱] قبلہ، قبل سے بنا ہے جس کے معنی، جانب، طرف اور مقابلہ کی طاقت کے ہیں[۲]۔ جانب و طرف کی مثال کے لیے قرآن کریم کی یہ آیت ملاحظہ ہو۔ "لیس البران تولو وجوھکم قبل المشرق والمغرب ۔۔۔(الخ)[۳]۔ ترجمہ: نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی[۴]۔

قبل، مقابلہ کی طاقت کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اس مثال کے لیے قرآن کریم کی یہ آیت ملاحظہ ہو: ارجع الیھم فلنا تیھم بجنود لا قبل لھم بھا ۔۔۔(الخ) [۵]۔ ترجمہ: "ان کے پاس واپس آجاؤ ہم ان پر ایسے لشکر لے کر حملہ کریں گے جس کے مقابلے کی ان میں طاقت نہ ہوگی"[۶]

قبلہ کی اصطلاحی تعریف یوں کی جاسکتی ہے "قبلہ وہ ہوتا ہے جس کی طرف رخ کر کے عبادت کی جاتی ہے" مثلاً مسلمان پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں اور نماز کی شرط ہے کہ نمازی کا چہرہ اور سینہ قبلے کی جانب ہو اور پاؤں کی دسوں انگلیاں بھی قبلہ رخ ہونی چاہئیں۔ سید نعیم الدین مرادآبادی، آیت "وحیث ما کنتم فولو وجوھکم شطرہ" کے تحت رقمطراز ہیں کہ "اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں روبقبلہ ہونا فرض ہے"[۸]

قبلہ کا لفظ قرآن کریم میں چار مقامات پر آیا ہے وہ یہ ہیں سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۴۳۔۱۴۴۔۱۴۵اور سورۃ یونس کی آیت ۸۷۔ جبکہ قبلتک ، ایک مرتبہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۵ میں اور قبلتهم دو مرتبہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۲اور ۱۴۵ میں آیا ہے[۹]۔

مسلمانوں کا قبلہ کعبہ ہے۔ کعبہ (کَعْ۔بَہ) عربی اسم مذکر ہے،اس کے لغوی معنی چار گوشوں والی چیز (مربع) کے ہیں۔ اہل اسلام کے متبرک اور مقدس مقام کا نام جہاں ہر سال حج ہوتا ہے، یہ عمارت چار گوشوں والی ہے[۱۰]۔ یہ چار گوشوں والی عمارت یعنی خانۂ کعبہ، مسجد الحرام میں واقع ہے اور مسجد الحرام شہر مکہ میں ہے اور مکہ معظمہ عرب کا مشہور و معروف شہر اور دنیا کے وسط میں واقع ہے۔ یہ ہمیشہ سے لوگوں کا مرکز رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ جعل الله الكعبة البيت الحرام قيما للناس ۔۔۔(الخ)[۱۱] ترجمہ: ”بنایا ہے اللہ نے کعبہ کو جو عزت والا گھر ہے بقا کا باعث ہے لوگوں کے لیے“[۱۲]۔

حدود حرم میں جانوروں کا شکار ممنوع ہے اور اس شہر میں جنگ و قتال کرنا بھی منع ہے۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری ”جعل اللہ الکعبۃ کے تحت رقمطراز ہیں“جس طرح کعبہ اور اس کی حدود جانوروں کے لیے امن گاہ ہے، اسی طرح کعبہ انسانوں کے حفظ و بقا کا بھی سبب ہے۔ قیام اصل میں قوم تھا واو کا ما قبل مکسور تھا اس لیے اسے یاء سے بدل دیا گیا۔ والمراد به ما یقول به امر الناس (المعاد) کعبہ مقدس تکوینی اور تشریعی دونوں لحاظ سے لوگوں کے حفظ و بقا کا ذریعہ ہے۔ تکوینی لحاظ سے تو اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی عزت و عظمت لوگوں کے دلوں میں ایسی مستحکم کر دی ہے کہ اس زمانے سے جب کہ جزیرۂ عرب میں کوئی حکومت نہ تھی کوئی قانون نہ تھا، کوئی دین نہ تھا اور قتل و غارت کی گرم بازاری تھی اس وقت بھی یہاں کوئی کسی کو چھیڑتا نہیں تھا، باپ کا قاتل بھی اگر وہاں آجائے تو اس کی طرف بھی بری نظر سے نہ دیکھا جاتا، باوجود یہ کہ گوشے گوشے سے لوگ یہاں جمع ہوتے اور کاروبار کرتے یہ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت تھی فاجعل افئدة من الناس تهوى اليهم وارزقهم ۔ اور تشریعی طور پر اس طرح کہ حج و عمرہ کی عبادت یہاں ہی ادا کی جاتی ہیں[۱۳]۔

سید نعیم الدین مراد آبادی رقمطراز ہیں ”اگر کوئی شخص قتل و جنایت کرکے حرم میں داخل

ہو تو وہاں نہ اس کو قتل کیا جائے نہ اس پر حد قائم کی جائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر میں اپنے والد خطاب کے قاتل کو بھی حرم شریف میں پاؤں تو اس کو ہاتھ نہ لگاؤں، یہاں تک کہ وہ وہاں سے باہر آئے[۱۴]۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جو شخص حرم کے اندر آجائے وہ امن میں آجاتا ہے اس کو قتل کرنا جائز نہیں[۱۵]۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی سورۃ القریش کے تحت رقمطراز ہیں“ مکہ چونکہ حرم تھا اس لیے قریش کو یہ خطرہ نہ تھا کہ ان کے شہر پر عرب کا کوئی قبیلہ حملہ کر دے گا اور قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور تھے اس لیے اس کے تجارتی قافلے بے کھٹکے عرب کے تمام علاقوں سے گزرتے تھے اور کوئی ان کو نہ چھیڑتا تھا[۱۶]۔

کعبہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے ہی سے لوگوں کی توجہ کا مرکز رہا۔ جناب رسول کریم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل بھی کعبہ لوگوں کا قبلہ تھا۔ کعبہ کا حج کیا جاتا تھا۔ لوگ دور دراز کا سفر کر کے خانہ کعبہ کی زیارت کرنے آتے تھے۔ اولاد اسمٰعیل علیہ السلام ہمیشہ سے خانہ کعبہ کا ادب و احترام کرتی رہی ہے، یہی ان کا قبلہ رہا، کعبہ کی شان و عظمت و جلال لوگوں کے دلوں میں پیوست تھی۔ اگر کسی بدبخت نے کعبہ کو بری نظر سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے صرف اس کی وہ نظریں ہی نہیں بلکہ اس کے وجود ہی کو فنا کر دیا۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا” مکہ بڑے بڑے جابروں کی گردنیں توڑ دیتا ہے، جس جابر نے اصحاب فیل کی طرح کعبہ (کو ڈھانے) کا ارادہ کیا اللہ نے اس کی گردن توڑ دی“[۱۷]۔

واقعہ فیل، جناب رسول کریم ﷺ کا ولادت باسعادت سے قبل رونما ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ پر بری نظر کرنے والے یمن کے حاکم ابرہہ اور اس کے لشکر کو جو ہاتھیوں پر سوار تھا۔ مکہ معظمہ سے قریب واقع وادی محسر میں چھوٹے چھوٹے سبز و زرد رنگ کے پرندوں کے ذریعے تباہ و برباد کر دیا تھا۔

شبیر احمد عثمانی رقمطراز ہیں کہ” یہ واقعہ حضور ﷺ کی ولادت شریف سے پچاس روز پہلے ہوا، بلکہ بعض کہتے ہیں کہ خاص اسی روز آپ کی ولادت باکرامت ہوئی۔ گویا یہ ایک آسمانی

نشان آپ ﷺ کی آمد آمد کا تھا اور ایک غیبی اشارہ تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی فوق العادت حفاظت فرمائی ہے اس گھر کے سب سے مقدس متولی اور سب سے بزرگ پیغمبر کی حفاظت بھی اس طرح کرے گا اور عیسائی یا کسی دوسرے مذہب کو یہ موقع نہ دے گا کہ وہ کعبہ اور کعبہ کے سچے خادموں کا استحصال کر سکیں۔ ۱۸

خانہ کعبہ کی تعمیر کی ایک تاریخ ہے جس میں کعبہ کی تعمیر کے متعلق مختلف نوعیت کی روایات مرقوم ہیں، جن سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ دنیا کی سب سے پہلی عبادت گاہ خانہ کعبہ ہے، جس کی تعمیر سب سے پہلے فرشتوں نے یا سیدنا آدم علیہ السلام نے بیت المعمور کے بالکل مقابل کی۔ ''ساتویں آسمان پر خانہ کعبہ کی ٹھیک محاذات میں فرشتوں کا کعبہ ہے اس کو بیت المعمور کہتے ہیں ۱۹ چنانچہ دنیا میں پہلا گھر جو عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا وہ خانہ کعبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبرکا و هدی للعلمین۔ ۲۰ ترجمہ: بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہاں کا راہنما ۲۱۔

ڈاکٹر علامہ اقبال کہتے ہیں:

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں، وہ پاسباں ہمارا۔ ۲۲

سید نعیم مراد آبادی آیت مذکورہ کا شان نزول بیان کرتے ہیں کہ ''یہود نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ بیت المقدس ہمارا قبلہ ہے، کعبہ سے افضل اور اس سے پہلا ہے، انبیاء کا مقام ہجرت وقبلہ عبادت ہے مسلمانوں نے کہا کہ کعبہ افضل ہے اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس میں بتایا گیا کہ سب سے پہلا مکان جس کو اللہ تعالیٰ نے اطاعت وعبادت کے لیے مقرر کیا ہے وہ کعبہ معظمہ ہے، جو شہر مکہ میں واقع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کعبہ معظمہ بیت المقدس سے چالیس سال قبل بنایا گیا''۔ ۲۳

''حضرت عبداللہ بن عمر، مجاہد، قتادہ، سدی وغیرہ صحابہ وتابعین اسی کے قائل ہیں کہ کعبہ دنیا کا سب سے پہلا گھر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوگوں کے رہنے سہنے کے مکانات پہلے بھی

بن چکے ہوں مگر عبادت کے لیے یہ پہلا گھر بنا ہو، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی منقول ہے۔ ۲۴

جناب ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ زمین پر سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''مسجد الحرام'' میں نے عرض کی اس کے بعد تو فرمایا ''مسجد اقصیٰ'' میں نے دریافت کیا کہ ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنا عرصہ تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''چالیس سال''۔ ۲۵

علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رقمطراز ہیں کہ ''حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے اول زمین پر کعبہ کی عمارت بنائی تھی۔ ۲۶

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رقمطراز ہیں کہ ''مسجد حرام کے پہلے معمار حضرت آدم علیہ السلام اور مسجد اقصیٰ کے پہلے معمار آپ کے کوئی فرزند تھے۔ طوفان نوح علیہ السلام کے بعد جب یہ عمارت منہدم ہوگئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کی''۔ ۲۷

مفتی محمد شفیع کہتے ہیں کہ ''بیت المقدس کی ابتدائی تعمیر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے بیت اللہ کی تعمیر سے چالیس سال بعد میں ہوئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو بیت المقدس کی تعمیر کی یہ بھی بیت اللہ کی طرح بالکل نئی اور ابتدائی تعمیر نہ تھی، بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنا ابراہیمی پر اس کی تجدید کی ہے''۔ ۲۸ یعنی بیت المقدس کا سنگ بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھا اس سے قبل مسجد اقصیٰ کا وجود نہیں تھا۔

مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندوی رقمطراز ہیں ''و بنی اسحق بیت الله فی الشام، کما بنی أبوه وأخوه بیتا الله فی مکه وهذا المسجد الذی بناه اسحق فی الشام هو بیت المقدس''۔ ۲۹ یعنی حضرت اسحٰق علیہ السلام نے شام میں اللہ تعالیٰ کے لیے ایک گھر تعمیر کیا جیسا ان کے والد اور بھائی نے مکہ معظمہ میں ایک گھر تعمیر کیا تھا اور وہ مسجد جو جناب اسحٰق علیہ السلام نے شام میں بنائی وہ بیت المقدس ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ معظمہ میں آباد کیا تھا اور

انکے ہمراہ خانہ کعبہ کی جدید تعمیر کی تھی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحٰق علیہ السلام کو شام میں بسایا، شام میں کوئی مسجد نہ تھی اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ساتھ شام میں ایک نئی مسجد تعمیر کی جس کا نام بیت المقدس ہے۔ حدیث میں بھی یہی مراد ہے کہ خانہ کعبہ کی جدید تعمیر یعنی تعمیر ابراہیمی کے چالیس سال کے بعد بیت المقدس کی تعمیر ہوئی اور یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔

علامہ فیض احمد اویسی یہ کہتے ہیں کہ "کعبۃ اللہ کی مسجد کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی، اس کے چالیس سال بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے حکم سے مسجد اور شہر کی تجدید کی گئی۔[۳۰]

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی تعمیر کا حکم دیا چنانچہ آپ نے وہاں پہنچ کر بیت المقدس کی تعمیر کا کام سر انجام دیا اس طرح دونوں مساجد میں چالیس سال کا فرق ہے۔[۳۱]

الغرض کعبہ تعمیری اعتبار سے بیت المقدس سے کم از کم چالیس سال قدیم اور فضیلت کے اعتبار سے عظیم ہے۔ شہر مکہ کو جو تجارتی، معاشی، معاشرتی، تمدنی، مدنی اور جغرافیائی لحاظ سے اہمیت حاصل ہوئی اس کا سبب بھی یہی خانہ کعبہ بنا۔

اب یہ مسئلہ کہ مسلمانوں کا قبلہ اول خانہ کعبہ ہے یا بیت المقدس؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ مسلمانوں کا قبلہ اول خانہ کعبہ ہی ہے۔ مسلمانانِ مکہ، ہجرت مدینہ سے قبل بھی خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے تھے، کوئی روایت ایسی نہیں ملتی جس سے اس بات کی شہادت ملے کہ اہل مکہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ جب سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا تو مسلمانانِ مکہ نے خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے باجماعت نماز مسجد الحرام میں ادا کی۔ البتہ ہجرت مدینہ کے بعد چند ماہ کے لیے جناب رسول کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔

علامہ فیض احمد اویسی رقمطراز ہیں کہ "ہمارے نبی کریم ﷺ کا قبلہ کعبہ معظمہ تھا لیکن آپ نے ایک مدت تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ چنانچہ بخاری شریف میں

ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔[۳۲]

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو گیا کہ آپ ﷺ اپنے کعبہ ہی کو اپنا قبلہ بنالیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔

قد نرى تقلب وجهك في السماء فلنولينك قبلة ترضها فول وجهك شطر المسجد الحرام ط وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره ...(الخ)[۳۳]

ترجمہ: ہم ملاحظہ کر رہے ہیں تمہارے چہرے کے بار بار اٹھنے کو طرف تو ضرور پھیر دیں گے ہم تم کو تمہارے پسندیدہ قبلہ کی طرف تو اب پھیر دو اپنا رخ مسجد حرام کی طرف۔[۳۴]

چنانچہ جس کعبہ کی طرف رخ کر کے قبل از ہجرت آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نماز پڑھتے تھے جس کعبہ کو آپ پسند کرتے تھے، جس کعبہ کی بنیاد ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام نے رکھی جس کعبہ کی تعمیر آپ کے جد امجد حضرت سیدنا ابراہیم و اسمٰعیل علیہ السلام نے کی جو دنیا کی سب سے پہلی عبادت گاہ اور انسانوں کا قبلہ اول ہے۔ اسی قبلہ اول کو مسلمانوں کا قبلہ مقرر کر دیا گیا۔

علمائے تفسیر نے یہی بیان کیا ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ اس سے قبل و بعد آپ نے صرف خانہ کعبہ ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ چنانچہ ان دلائل و براہین سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ ہر دو طرح سے خانہ کعبہ ہی کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ دنیا میں سب سے پہلی عبادت گاہ خانہ کعبہ ہے اور مسلمانوں کا قبلہ اول بھی یہی خانہ کعبہ ہے جو مکہ معظمہ میں ہے۔ بیت المقدس ایک مقدس و محترم مقام ہے، اللہ کا گھر ہے، لیکن اس کو قبلہ اول کہنا کسی بھی طریق سے مناسب نہیں بلکہ بیت المقدس کو قبلہ اول کہنے سے آیت قرآنی کا انکار اور توہین کعبہ کا پہلو نکلتا ہے اور یہ ثابت بھی نہیں ہوتا کہ جناب رسول کریم ﷺ و اصحاب کرام کا قبلہ اول بیت المقدس ہے اور یہ حضرات قبل از ہجرت بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے بلکہ ایسا کہنا بھی ان مقدس ہستیوں پر بہتان و الزام تراشی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ فیروز الدین، مولوی، الحاج، فیروز اللغات اردو جامع، ص ۹۴۸، مطبوعہ فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور

۲۔ نعمانی، عبدالرشید، محمد، مولانا، لغات القرآن، جلد پنجم، ص ۶۷، مطبوعہ دارالاشاعت اردو بازار کراچی، ۱۹۹۴ء

۳۔ سورۃ البقرہ، آیت ۱۷۷

۴۔ ترجمہ محمود الحسن دیوبندی، مطبوعہ پاک کمپنی، لاہور

۵۔ سورۃ نحل، آیت ۳۷

۶۔ ترجمہ فتح محمد جالندھری، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ

۷۔ سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۴

۸۔ حاشیہ آیت مذکورہ، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ

۹۔ عبدالباقی، محمد فواد، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، ص ۶۷۲، مطبوعہ منشورات ذوی القربی، ۱۹۸۸ء

۱۰۔ فیروز الدین، مولوی، الحاج، فیروز اللغات اردو جامع، ص ۱۰۱۶، مطبوعہ فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور

۱۱۔ سورۃ المائدہ، آیت ۹۷

۱۲۔ جمال القرآن، ترجمہ قرآن کریم، از پیر محمد کرم شاہ الازہری، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور

۱۳۔ شاہ، محمد کرم، پیر، ضیاء القرآن، جلد اول، ص ۵۱۲۔۵۱۳، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور

۱۴۔ مرادآبادی، نعیم الدین، محمد، سید، خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، ص ۱۱۲، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور

۱۵۔ پانی پتی، ثناء اللہ، محمد، علامہ، تفسیر مظہری (اردو)، ص ۳۰۲، مطبوعہ ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی، دہلی، دسمبر ۱۹۶۲ء

۱۶۔ ترجمہ قرآن وحواشی، سید ابوالاعلیٰ مودودی، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۲۰۰۳ء

۱۷۔ پانی پتی، ثناء اللہ، محمد، علامہ، تفسیر مظہری (اردو)، ص ۲۹۹، مطبوعہ ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی، دہلی، دسمبر ۱۹۶۲ء

۱۸۔ عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی حاشیہ سورۃ الفیل، مطبوعہ پاک کمپنی، لاہور

۱۹۔ تفسیر عثمانی، سورۃ الطور، حاشیہ آیت ۴

۲۰۔ سورۃ آل عمران، آیت ۹۶

۲۱۔ ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ

۲۲۔ کلیات اقبال (بانگ درا حصہ سوم)، ص ۱۵۹، مطبع غلام علی پبلشرز، لاہور ۱۹۹۹ء

۲۳۔ تفسیر خزائن العرفان حاشیہ آیت مذکورہ

۲۴۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، جلد دوم، ص ۱۱۱، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی ۱۹۶۹ء

۲۵۔ پانی پتی، ثناء اللہ، محمد، علامہ، تفسیر مظہری (اردو)، ص ۲۹۹۔۳۰۰، مطبوعہ ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی، دہلی، دسمبر ۱۹۶۲ء

۲۶۔ ایضاً، ص ۲۹۹

۲۷۔ ضیاء القرآن، جلد اول، ص ۲۵۴

۲۸۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، جلد دوم، ص ۱۱۳

۲۹۔ الندوی الحسنی، ابوالحسن علی، مولانا، قصص النبیین، الجزء الاول، ص ۲۵، مطبوعہ مجلس نشریات اسلام، کراچی

۳۰۔ ماہنامہ، فیض عالم، بہاولپور، اکتوبر ۲۰۰۲ء، ص ۹

۳۱۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری (ابن حجر عسقلانی) جلد سوم،

۳۲۔ ماہنامہ، فیض عالم، بہاولپور، اکتوبر ۲۰۰۲ء، ص ۱۱

۳۳۔ سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۴

۳۴۔ ترجمہ معارف القرآن، سید محمد کچھوچھوی، مطبوعہ گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک

تعلیم کا مسئلہ اور اسکا حل

ڈاکٹر برہان الدین فاروقی

تخلیق پاکستان کے بعد پاکستان کو اسلامی بنیادوں پر منظم نہ کیا جا سکا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جن مؤثرات نے اس راہ میں رکاوٹ پیدا کی، ان کا نہ تو تعین کیا جا سکا نہ تدارک۔ ان مؤثرات کا تدارک نہ کر سکنے کا سبب ہمیں اپنی تاریخ کے اب سے بہت پہلے کے دور میں تلاش کرنا چاہیے۔ یہ واقعہ خاص توجہ کا مستحق ہے کہ برعظیم پاک و ہند میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرتبے کا مصلح پیدا ہوا، پھر بھی ملک کو مستعمراتی غلبے کا شکار ہونے سے نہ بچایا جا سکا۔

یہ واقعہ چار مؤثرات کا نتیجہ ہے: ایک یہ کہ تکمیل دین کا تصور مسخ ہو گیا تھا اور انسان کامل چند مابعد الطبعی عقائد، چند اخلاقی اسباق، چند تمدنی ضوابط، چند اخلاقی اصولوں، چند عدالتی قوانین اور چند رسوم و مظاہر میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔ تصور دین کے مسخ ہو جانے کا سبب یہ تھا کہ معیاری دین اور معمول بہ دین میں امتیاز کا شعور زائل ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ جو اصطلاحات حضرت مجدد نے تجویز فرما کر جہانگیر سے نافذ کرائیں، ان کے نفاذ کے بعد اس دور کے علماء نے محسوس کیا کہ اب کچھ کرنے کو باقی نہیں رہا؛ حالانکہ ان اصطلاحات سے اس ملک میں اسلام کی صرف وہ حیثیت بحال ہوئی تھی جو دین الٰہی اکبر شاہی سے پہلے اسلام کو حاصل تھی۔

دوسرے یہ کہ ہم زوال پذیر مطلق العنانی کا بدل سیاست میں اور زوال پذیر

جاگیرداری نظام کا بدل معیشت میں تلاش نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دیر تک اپنی سیاسی آزادی کو برقرار نہ رکھ سکے۔ اور معاشی انقلاب کی قیادت ہمارے ہاتھ سے چھن گئی۔

تیسرے یہ کہ ہم زندگی کی وحدت اور اخلاق و معیشت کے ربط کے شعور سے محروم ہو گئے۔ جب مستعمراتی نظام کو غلبہ ہو گیا تو پوری برطانوی حکومت کے وسائل یہ باور کرانے کے لئے استعمال کئے جاتے رہے کہ اسلام قابل عمل نہیں ہے۔

چوتھے یہ کہ زندگی لادینی نظام کے تابع ہو گئی۔ معاشرہ یوں لادینی ہو گیا کہ پہلے معاشرے میں وحدت کے شعور کی اساس فتاوائے عالمگیری کے حوالے سے حنفی نظام فقہ تھا۔ شرعی عدالتوں کے ختم ہو جانے سے اور برطانوی اقتدار کی سعی سے عمرانی وحدت کے شعور کی بنیاد جغرافیائی وفاداری بن گئی۔ معیشت میں لادینی انداز یوں پیدا ہوا کہ ہمارا جاگیرداری کا حامل معاشرہ ابتائے حقوق کے اصرار پر قائم تھا۔ جب قوم پرستوں کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں اور غیر ملکی اقتدار نے اپنے وفادار پیدا کرنے کے لیے غداروں کو جاگیروں کا حق ملکیت دے کر نیا جاگیری نظام نافذ کیا تو جاگیردار عوام کے حقوق کی ذمہ داری کے شعور سے آزاد ہو گیا اور صرف اپنے اپنے حقوق کے مطالبے اور نگہداشت کی فضا پیدا ہو گئی۔ نظام تعلیم لادینی ہو گیا۔ نصاب میں مذہب کا کوئی شائبہ باقی نہ رہا۔ مذہب انفرادی، نجی، شخصی، باطنی پہلو سے وابستہ ہو کر رہ گیا۔ اب چونکہ زندگی پر عقائد کا کوئی اثر نہ رہا، اس لئے عقائد، اوہام باطلہ بن گئے اور عبادات، رسوم و ظواہر ہو کر رہ گئیں۔

ہر چند کہ اپنے احیا کی ہر تحریک میں ہم نے جان کی بازی لگائی اور نعرہ ہائے مستانہ بلند کئے مگر سب تحریکیں شعلۂ مستعجل ثابت ہوئیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ہماری فکری بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھیں۔

موجودہ نظام تعلیم غیر ملکی اقتدار کا ترکہ ہے:

جس نظام نے ہمارے عمرانی ثقافتی اختلال کو مکمل کیا، اس کا اندازہ اس کے مصنف ہی کی زبان سے زیادہ صحیح ہو سکے گا۔

سر چارلس ٹریویلین (Sir Charles Trevelyan)، لارڈ میکالے کا رشتہ

دار تھا۔ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں ایک کلرک کی حیثیت سے ملازم ہوا تھا۔ اور بعد میں صرف ذاتی قابلیت کی بناء پر ترقی کرتے کرتے مدراس کا گورنر ہو گیا۔ اس نے ایجوکیشن انکوائری کمیٹی کے کنوینر کی حیثیت سے ۱۸۳۸ء میں Education of Indian People کے نام سے ایک رپورٹ پیش کی۔ اس رپورٹ کے باب ہفتم کا عنوان ہے "ہندوستانی نظام تعلیم کے سیاسی رجحانات"۔ اس نے جو کچھ اس عنوان کے تحت لکھا ہے، اس کا اقتباس خود اس کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

"مسلمانوں کا نظام تعلیم طاقت، فخر ومباہات اور جوش عزائم پر مبنی ہے۔ اقتدار کی ہوس اور لذائذ جسمانی مذہب کی تائید میں لائے جاتے ہیں۔ کرۂ ارض مومنین کی میراث ہے۔ ان کے علاوہ سب کافر اور غاصب ہیں جن سے بجز سیاسی مقتضیات کے کوئی روابط نہیں رکھے جا سکتے۔ تمام ملک بااختیار خداوندی مسلمانوں کی ملک ہے۔۔۔ ہندوؤں کا نظام تعلیم اگرچہ کم خوفناک اور متشددانہ نہیں بلکہ اس سے زیادہ مانع اور محدود ہے۔ اس کی رو سے تمام غیر ہندو برادری سے خارج ہیں اور صرف ارذل ترین کاموں کے لائق ہیں اور کسی طرح حکومت کے ان کاموں کے لائق نہیں جو برہموں کی ہدایت میں فوجیوں کے لئے مخصوص ہیں۔

"عربی اور سنسکرت نظام ہائے تعلیم کے یہ میلانات ہیں جو ہماری خوش بختی سے اپنی پوری قوت کے ساتھ بہت مشکل زبانوں میں لکھی ہوئی کتابوں اور چند علماء کے ذہنوں میں بند ہیں جو شاذ و نادر ہی نہایت مضمحل انداز میں لوگوں کے جذبات میں جھلکتے ہیں، لیکن اس نظام تعلیم کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو ان کو دوبارہ زندہ کر دے، تازہ کر دے اور مسلمانوں کو مستقل طور پر یاد دلاتا رہے کہ وہ کافر ہم (انگریز) ہی ہیں جنہوں نے مومنوں کو ان کی بہترین سلطنت سے محروم کیا ہے اور ہندوؤں کو یہ احساس دلاتا رہے کہ ہم ہی وہ نجس درندے ہیں جن سے کسی قسم کے دوستانہ روابط رکھنا گناہ اور شرم کی بات ہے۔ ہمارے بدترین دشمن اس سے زیادہ خواہش نہ کر سکتے تھے کہ ہم ایسے نظام ہائے تعلیم کو پھیلائیں جو خود ہمارے ہی خلاف فطرت انسانی کے شدید ترین جذبات کو مشتعل کر دیں۔

"جب تک دیسی لوگ اپنی گذشتہ آزادی پر کڑھتے رہیں گے، اپنے احوال کو بہتر

بنانے کے لئے ان کی ایک ہی تدبیر ہو گی کہ وہ اس ملک سے انگریزوں کو بتمام وکمال جبراً نکال دیں۔ ان کے اعلیٰ اور ادنیٰ، دولتمند اور مفلس اپنے حالات کو بہتر بنانے کا ایک ہی تصور رکھتے تھے۔ اعلیٰ طبقہ اس امید پر زندگی بسر کرتا تھا کہ ان کے ملکی اقتدار کے دوبارہ قیام پر دولت و امتیاز کی راہیں ان پر پھر کھل جائیں گی حتیٰ کہ زیادہ باشعور اور نسبتاً بہتر اثر قبول کرنے والے دیسی بھی اس بات کا کوئی تصور نہ رکھتے تھے کہ ان کی اس بدحالی کو رفع کرنے کا، انگریزوں کو جبراً پوری طرح سے نکال دینے کے سوا کوئی اور طریقہ بھی ہو سکتا ہے۔

"صرف یورپی تصورات سے ان کو گرما کر ہی یہ ممکن ہے کہ ان کے قومی نظریات کو ایک نیا رخ دیا جا سکے۔ جن نوجوانوں کی تربیت ہمارے تعلیمی مرکزوں میں ہوئی ہے وہ نہایت تحقیر کے ساتھ مطلق العنانی کی اس بربریت کو پھر کر دیکھتے ہیں جس کے تحت ان کے اسلاف کراہتے رہے تھے اور انگریزی طرز کے ان قومی اداروں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اور ہمیں ناپسند کرنے کے بجائے ہمارے ساتھ رہنے کو پسند کرتے ہیں اور ہمیں اپنا فطری محافظ سمجھتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی آرزو ہمارے مشابہ ہو جانا ہے اور ہماری رہنمائی میں اپنے ہم وطنوں کے کردار کو بلند کرنے اور بتدریج ایک پر لطف اور منظم اور اس لئے ایک محفوظ اور پر مسرت آزادی کے حصول کی توقع رکھتے ہیں، اور ہم انگریزوں کو غیر سمجھنے اور ہمارے گلے کاٹنے کے بجائے وہ اس بات کی امنگ رکھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ عدالت عالیہ یا مجسٹریٹوں کی کرسی پر بیٹھ کر فیصلے کریں اور پنجاب یا نیپال کی سیاست پر سوچنے کے بجائے وہ اپنی مجالس مذاکرہ میں جو انہوں نے آپس میں قائم کر لی ہیں طبع کے فوائد اور آزادی گفتار پر خطیبانہ انگریزی تقریروں میں مباحثے کرتے رہیں۔

"انگریزی ادب کی روح، انگریزوں سے روابط پیدا کرنے میں انتہائی موافق اثرات پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ ہمارے ادب کے ذریعے ہندی نوجوانوں کی ہم سے بے تکلف جان پہچان کا اثر یہ ہو گا کہ وہ ہمیں غیر ملکی سمجھنا چھوڑ دیں گے۔ وہ ہمارے اکابر کا ذکر جوش و خروش کے ساتھ کریں گے جس طرح ہم کرتے ہیں اور ہمارے ہی طریقے پر تعلیم پا کر ہمارے ساتھ ہمارے ہی مشاغل میں دلچسپی لے کر ہمارے ہی مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد کر کے وہ ہندوؤں سے زیادہ بالکل اسی طرح انگریز بن جاتے ہیں جس طرح رومن صوبوں کے لوگ

اطالویوں اور فرانسیسیوں سے زیادہ رومن بن گئے تھے۔ آخر وہ کیا چیز ہے جو ہمیں وہ بناتی ہے جو ہم ہیں بجز اس کے کہ ہم انگریزوں کے ساتھ رہتے ہیں، انگریزی بولتے ہیں اور انگریزی الف و عادات اختیار کرتے ہیں۔ وہ روزانہ بہترین دل و ذہن رکھنے والے انگریزوں سے ان کی تصانیف کی معرفت تبادلہ خیال کر کے ہماری قوم کی نسبت شاید اس سے زیادہ اچھی رائے قائم کرتے ہیں جیسی وہ انگریزوں سے بالمشافہ بات چیت کر کے قائم کرتے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ہم ہندوستان کے مفادات کو اپنے نظم و نسق کے ذرائع میں کیسے ملحوظ رکھتے ہیں اور وہ متشدد دشمنوں کے بجائے ہمارے ذہین اور جوشیلے مددگار و معاون بن جاتے ہیں۔

''انگلستان اور ہند جیسے دور دراز ممالک کے درمیان موجودہ تعلق کا دائمی اور مستقل ہونا حقیقت کے منافی ہے۔ کسی کوشش و تدبیر سے اور کسی حکمت عملی سے ملکیوں کو انجام کار اپنی آزادی کے حصول سے روک دینا ممکن نہیں لیکن اسے حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک انقلاب کے ذریعے، دوسرے اصلاح کے ذریعے۔ ایک میں ارتقائی حرکت فوری اور متشددانہ ہوگی۔ دوسرے میں تدریجی اور پرامن۔ ایک لازمی طور پر ملکیوں کے اور ہمارے درمیان کامل ذہنی بیگانگی اور بیزاری پر منتج ہوگا، دوسرا دائمی دوستی، باہمی نفع بخشی اور خیر خواہی پر۔ ناپسندیدہ نتائج کو روکنے اور پسندیدہ نتائج کو حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم ملکیوں کو یورپی انداز کی ترقی کے حصول میں مصروف کر دیں۔ ایسا کرنے سے وہ قدیم ہندی بنیادوں پر آزادی حاصل کرنے کی خواہش سے دست بردار ہو جائیں گے۔ اس صورت میں فوری تبدیلی تو ناممکن ہوگی مگر ہند سے ہمارا موجودہ تعلق تادیر قائم رہے گا اور ہمارا موجودہ تعلق پہلے سے بھی زیادہ یقینی ہو جائے گا۔ لوگوں کو یورپی نمونے کی سلف گورنمنٹ کے لئے تیار کرنے کے لیے ایک صدی بمشکل کافی ہوگی۔ کسی قوم کی سیاسی تربیت کے لئے بہت طویل مدت درکار ہے اور جب تک یہ مدعا پورا ہو ہم تا حد امکان محفوظ رہیں گے۔ اور ہماری رعایا میں کوئی طبقہ ایسا نہیں ہوگا جن کے لئے ہمارا وجود اتنا ضروری ہو جتنا ان لوگوں کے لئے جن کے خیالات انگریزی نمونے پر ڈھل گئے ہوں گے۔ یہ جماعت تعداد میں ابھی بہت کم ہے لیکن اس اقلیت میں برابر ان نوجوانوں کا اضافہ ہو رہا ہے جنہوں نے ہمارے مرکزوں میں تربیت پائی ہے۔ کچھ عرصے میں یہ اقلیت اکثریت بن جائے

گی۔ اس وقت یہ ضروری ہوگا کہ لوگوں کی ترقی یافتہ ذہانت اور ان میں سلف گورنمنٹ کی استعداد کے پیش نظر ہم اپنے سیاسی اداروں میں تبدیلی پیدا کریں۔

''اس طرح تدریجاً اور پرامن طریقے پر تغیر پیدا ہو جائے گا اور جانبین کی طرف سے کوئی جدوجہد ایک دوسرے کو بیزار کرنے کی نہیں ہوگی؛ اور اس طرح دیسی لوگ پہلے آزادی کا پسندیدہ استعمال سیکھ لیں گے، پھر آزادی حاصل کریں گے۔ اور اپنی نفع بخش رعایا کو اس سے بھی زیادہ نفع بخش حلیفوں میں تبدیل کر لیں گے۔ موجودہ انتظامی تعلق سے صرف بعض برطانوی خاندانوں کا بھلا ہوتا ہے۔ دنیا بھر میں اول درجے کے صنعتی اور اول درجے کے زرعی ملکوں کے مابین خالص تجارتی اتحاد سے پوری برطانوی قوم کی قوت اور فارغ البالی کی نہایت مستحکم بنیادیں استوار ہوں گی۔ اگر یہ راہ اختیار کی گئی تو کوئی علیحدگی واقع ہوگی ہی نہیں۔ ایک خطرناک اور عارضی تعلق ایک بالکل مختلف اور بہت ہی پائیدار تعلق میں بالکل نامحسوس انداز سے تبدیل ہو جائے گا۔ ہمارے ہاتھوں سے مسرت اور آزادی کی تربیت پا کر، ہمارے علوم اور سیاسی اداروں سے مستفید ہو کر، برطانوی احسان کے سب سے زیادہ قابل فخر نمونے کی حیثیت سے ہندوستان باقی رہے گا اور یہاں کے لوگوں کی محبانہ وابستگی اور انکے ملک سے عظیم الشان روابط کی صورت میں ہم عرصہ دراز تک اپنی فراخدلانہ پالیسی اور روشن حکمت عملی کا پھل پاتے رہیں گے جس نے اس طرز عمل کی طرف ہماری رہنمائی کی تھی۔ اس راہ کو اختیار کرنے میں ہم کوئی نیا تجربہ نہیں کر رہے ہوں گے۔ رومیوں نے فی الفور یورپی قوموں کو مہذب بنا دیا اور انہیں رومیوں کے رنگ میں رنگ کر اپنی حکومت سے وابستہ کر کے، بالفاظ دیگر ان کو رومی ادب اور رومی فنون کی تعلیم دیکر، فاتحوں کی نقل اور اتباع کی تربیت دے کر اپنا لیا؛ اور جو مقبوضات جنگی غلبے سے حاصل کیے گئے تھے، فنون امن کی برتری سے مستحکم ہو گئے اور ابتدائی مظالم اور شدائد کی یاد بعد میں پیدا ہونے والے فوائد میں فراموش کر دی گئی۔ اطالیہ، اندلس، افریقہ اور فرانس کے صوبوں میں رومیوں کے اتباع اور ان کی نعمتوں میں ان کے ساتھ شریک ہونے کے سوا کوئی آرزو باقی نہ رہ گئی تھی۔ وہ سب تا دم آخر ان کی حکومت کے مطیع و منقاد رعایا کی حیثیت سے وابستہ رہے اور یہ اتحاد اندرونی بغاوت سے نہیں، بیرونی تشدد کی وجہ سے اس وقت ختم ہوا جب فاتح اور مفتوح دونوں ایک ہی ابتلا کا شکار ہو گئے۔

ہندوستانیوں کو بہت جلد ہم سے وہی نسبت ہو جائے گی جو ہمیں رومیوں سے تھی۔ ٹیسیٹس (Tacitus) ہمیں بتاتا ہے کہ جولیس ایگریکولا (Julius Agricola) کی برطانیہ کے سرداروں کی اولاد کو رومی ادب اور رومی علوم کی تعلیم دینے اور ان میں رومی تہذیب و شائستگی کا ذوق پیدا کر دینے کی حکمت عملی یہی تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ کس قدر مفید ثابت ہوئی۔ برطانوی لوگ سر کش دشمنوں کے بجائے معتمد دوست بن گئے اور ان کے بزرگوں نے رومیوں کے آنے کی اتنی مزاحمت نہ کی جتنی برطانویوں نے رومیوں کے جانے کی مزاحمت کی۔ یہ بات ہمارے لئے بڑی ہی شرمناک ہوگی اگر بہت ہی اعلیٰ فوائد کی بنیاد پر ہم بھی اپنی قبل از وقت روانگی کو ہندوستانیوں کے لئے ایسی خوفناک مصیبت نہ بنا دیں۔

''ہندو مذہب ایسا نہیں جو آزمائش پر پورا اتر سکے۔ جسے شہادت یا دلیل کہا جاتا ہے، اس سے یہ مذہب اس درجہ بے تعلق اور اس حد تک بے شمار شدید بداخلاقیوں اور طبعی خرافات سے وابستہ ہو گیا ہے کہ یہ یورپی علوم کے سامنے اپنی ہستی کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ اسلام اس سے زیادہ سخت جان ہے۔ اس کے باوجود ایک مسلم نوجوان جس نے انگریزی تعلیم پائی ہے۔ اس شخص سے جس نے اپنے باپ دادا کے طریق کامل پر تعلیم پائی تھی، بہت ہی مختلف طرز کا انسان ہے۔ جیسے جیسے یہ تغیر بڑھتا جائے گا، ہندوستان میں بالکل ایک اور ہی ملک بن جائے گا اور اشتعال پذیر مذہبی جذبات کا نام بھی سننے میں نہ آئے گا۔''

یہ اقتباس پڑھ لینے کے بعد کسی ثبوت کی احتیاج باقی نہیں رہتی کہ یہ نظام تعلیم ہمارے خلاف اور برطانوی مفاد کے حق میں کس قدر نتیجہ خیز ثابت ہوا۔

نظام تعلیم کی اصلاح کی تجاویز اور ان کے نفاذ میں موانع

پاکستان کے حاصل ہو جانے کے بعد ہم پاکستان کو اسلام کی اساس پر مستحکم کیوں نہیں کر سکتے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ دین کی اساس پر پاکستان کا قیام ''عصر حاضر'' کے لئے ایک چیلنج تھا۔ اس چیلنج کے جواب میں عصر حاضر کے چیلنج کا نعرہ لگایا جو ایک عفریت بن کر ہمارے سامنے کھڑا ہے۔ جب سے ہم استعمار کی گرفت میں آئے تھے، ہم نے جذبہ آزادی کو زندہ رکھا تھا۔ پاکستان کا مطالبہ اسی جذبہ آزادی کا اظہار تھا۔ پاکستان حاصل ہوا، ہم نے یہ سمجھ کر کہ بین الاقوامی

قانون ہماری حفاظت کرے گا نگہداری اور تحفظ کے تقاضوں سے بے نیازی کا انداز اختیار کر کے اپنے آپ کو 'نو استعماریت' کی گرفت میں جانے دیا۔

زندگی ایک بامقصد عمل ہے۔ ہر رائج الوقت نظام کی طرح نظام تعلیم بھی غیر ملکی اقتدار کا ترکہ ہے جس کا کوئی تعلق قومی غایت سے نہیں۔ وقتاً فوقتاً رائج ہونے والی تعلیمی پالیسیوں میں جن خرابیوں کی نشاندہی کی گئی ہے وہ تعلیم کے قومی غایت سے عاری ہونے کے نتائج ہیں۔ مثلاً ''تعلیم قومی غایت پیدا کرنے میں ناکام رہی ہے، قومی نشوونما کے لئے اس تعلیم نے کوئی کردار ادا نہیں کیا، تعلیم یافتہ نوجوانوں میں بیروزگاری بہت ہے، اور تعلیمی معیار بہت پست ہے۔'' مجوزہ غایت یہ ہے کہ تمام طلبا کو یکساں ثقافتی فضائل سے مزین کیا جائے اور فضائل کا مجموعہ اپنے کردار میں اسلامی ہونا چاہیے۔

اس غایت کے حصول کے لئے جو ذریعہ تجویز کیا گیا ہے وہ مابعد فضیات کے درجے تک اسلامی تحقیق (Islamic Research) ہے اور مطبوعات کے ذریعے اسلامی نظریہ حیات کو فروغ دینا ہے۔ یونیورسٹی کی سطح پر اور دوسرے خصوصی اداروں میں اسلامی فکر کا اعادہ تاکید مزید کے ساتھ ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی ریسرچ کی کتنی ہی ہمت افزائی اور سرپرستی کی جائے وہ اس وقت تک کافی نہ ہوگی جب تک شعوری طور پر اس ریسرچ کے نتائج کو تعلیمی پالیسی کا جزو نہ بنایا جائے اور قانون، معاشیات، سیاسیات اور عمرانی علوم کے شعبوں میں ترقی پذیر انداز سے درسی نصابات میں شامل نہ کیا جائے۔

لیکن یہاں سب سے زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ مستشرقین کے اثر نے اسلامی تحقیق کو آثار قدیمہ کی کھدائی، گورکنی اور استخواں کی فروشی میں تبدیل کر دیا ہے کیونکہ وہ اسلام کو بابل، نینوا، مصر اور ہند کی تہذیبوں کی طرح ایک ختم شدہ قوت باور کرانا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلامی تحقیق کا مسئلہ صرف یہ ہے کہ اسلامی تہذیب کے عروج و زوال کے اسباب کیا تھے؟ مسلمانوں کی قوت اور ضعف کے اسباب کو سمجھ کر انہیں زیر کیسے کیا جا سکتا ہے؟ جو علم اس قسم کے مسائل پر ریسرچ سے حاصل ہوتا ہے، اس سے مسلمانوں کا اعتماد اپنی تہذیب کی برتری کی نسبت ضائع تو ہو سکتا ہے مگر اس کا اثر اسلامی ثقافتی فضائل کے احیاء پر نہیں لایا جا سکتا۔ اسلامی تحقیق کے